باب ہفتم

منکرین و مدعیان مہدویت

اسماء منکرین و مدعیان مہدویت، علامہ ابن خلدون،
مولانا مودودی، علامہ اقبال، مولانا سندھی اور
مولانا ابوالکلام آزاد کی تنقیدات کا جائزہ۔

شرح نخبۃ الفکر میں روایات کو قبول کرنے کی مندرجہ ذیل درجہ بندی کی ہے۔

(۱) متفق علیہ روایت (وہ روایت جو بخاری اور مسلم دونوں میں ہو)
(۲) صرف بخاری کی روایت۔
(۳) صرف مسلم کی روایت۔
(۴) وہ روایت جو بخاری اور مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہو۔
(۵) وہ روایت جو صرف بخاری کی شرائط پر پوری اترتی ہو۔
(۶) وہ روایت جو صرف مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہو۔ (تسہیل شرح نخبۃ الفکر ص ۳۱، ۳۲) *

معلوم ہوا کہ اگر کوئی روایت صحیحین میں نہ ہو لیکن ان کی شرائط پر پوری اترتی ہو تو وہ بھی بالاتفاق مقبول ہو گی۔ اس لیے روایات مہدی کے صحیحین میں نہ ہونے کا اعتراض دو وجہ سے درست نہیں۔

(۱) اولاً تو یہی بات غیر مسلم ہے کہ امام مہدی سے متعلق روایات صحیحین میں موجود نہیں بلکہ مسلم شریف میں ایسی روایات موجود ہیں جو اگرچہ مبہم ہیں لیکن اصول حدیث کے قاعدے کی بناء پر جب مبہم کو مفسر پر محمول کریں گے تو اس مبہم سے بعینہ وہی مراد ہوگا جو مفسر سے مراد ہے۔ اور آپ اسی رسالے کے باب ششم میں امام مہدیؒ سے متعلق صحیحین کی آٹھ ایسی روایات پڑھ آئے ہیں جو ظہور مہدی پر دلالت کرتی ہیں۔

(۲) کسی بات پر اجماع کے لیے تمام محدثین اور علماء کا الگ الگ قول نقل کرنا ضروری نہیں بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ وہ بات پھیل جائے اور اس پر کسی کا انکار منقول نہ ہو، لہٰذا جب تک اس سلسلے میں شیخین کے انکار کی تصریح نہ دکھا دی جائے اس وقت تک یہی سمجھا جائے گا کہ ان کے نزدیک بھی ظہور مہدی برحق ہے۔

ظہور مہدی پر اجماع سلف صالحین:

پھر دوسری بات یہ بھی ہے کہ شیخین سے پہلے ظہور مہدی پر سلف صالحین اور متقدمین کا اجماع ہو چکا ہے اب اگر متاخرین میں سے کوئی انکار بھی کر دے تو اس سے

وقعت نہیں رکھتا۔

چنانچہ کسی مستند عالم اور محدث سے اس کی مخالفت اور انکار منقول نہیں بلکہ بقول علامہ ابن خلدون ہی کے، ظہور مہدی کی روایات کو ترمذی، ابوداؤد، بزار، ابن ماجہ، حاکم، طبرانی اور ابو یعلی الموصلی نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے مختلف سندوں سے ذکر کیا ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون: ص ۳۱۱) جیسا کہ آپ اسی رسالے کے باب اول میں احادیث مہدی کے راوی صحابہ کرامؓ کے اسماء گرامی مع حوالہ جات اور باب ششم میں ان کی مرویات ملاحظہ فرما چکے۔

لہٰذا جس طرح اجماعیت کی بناء پر صحیحین کے بعض راویوں کے مجروح ہونے کی وجہ سے کچھ ضرر نہیں ہوتا اسی طرح روایات مہدی کے بعض راویوں کا مجروح ہونا بھی مضر نہیں ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ روایات مہدی پر جو اجماع ہوا ہے وہ اس اجماع سے زیادہ قابل قبول ہے جو روایات صحیحین کو لے لینے پر ہوا ہے تو بے جا نہیں ہوگا کیونکہ اس کا ماخذ نص ہے اور روایات صحیحین کو علامہ ابن خلدون نے محض اپنی رائے سے معتمد اور حجت سمجھا ہے۔

چنانچہ کسی حدیث میں یہ نہیں آتا کہ جس روایت کو بخاری اور مسلم ذکر کریں تو اس کو قابل اعتماد اور حجت سمجھنا۔ معلوم ہوا کہ یہ محض علامہ ابن خلدون کی رائے ہے، نیز حضرت امام مہدیؒ کا ظہور کوئی ایسی چیز نہیں جس کا تعلق کسی کی رائے سے ہو، لہٰذا اگر ظہور مہدی کے اجماع کی سند معلوم نہ بھی ہوتی تب بھی ہم اس کو نص ہی سے ماخوذ مانتے اور اس سے بھی بڑھ کر محققین کا تو یہ کہنا ہے کہ اجماع کی سند کا معلوم ہونا ضروری نہیں، تو جب سند معلوم ہو جائے وہ بطریق اولیٰ قابل قبول ہوگا۔

روایاتِ مہدی صحیحین میں مروی نہیں؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ سے متعلق بخاری یا مسلم کی روایت موجود نہ ہو، خواہ وہ کس قدر ثقاۃ نے نقل کی ہو، غیر معتبر ہے حالانکہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے

کیا اور فرمایا کہ مدینہ منورہ سے گندے لوگ (منافق اور کافر) اس طرح نکل جائیں گے جس طرح بھٹی سے لوہے کا گند (میل اور زنگ) دور ہو جاتا ہے، اور اس دن کو "یوم الخلاص" (چھٹکارے اور خلاصی کا دن) کہا جائے گا۔ام شریک (نامی ایک صحابیہ) نے پوچھا کہ یارسول اللہ! اس وقت عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا کہ عرب اس وقت تھوڑے ہوں گے اور ان میں سے بھی اکثر بیت المقدس میں ہوں گے اور ان کا امام "مہدی" نامی ایک صالح آدمی ہوگا۔"

معلوم ہوا کہ امام مہدیؒ سے متعلق روایات صحیحین میں بھی موجود ہیں جیسا کہ گذشتہ صفحات میں آپ اس کی تفصیل پڑھ آئے ہیں۔

امرِ دوم:

محققین کا کہنا ہے کہ اگر کوئی حدیث مختلف سندوں کے ساتھ مروی ہو اور اس کے نقل کرنیوالے اتنی کثرت کے ساتھ ہوں کہ ان کو جھوٹا قرار نہ دیا جا سکے تو اس حدیث کو خبر متواتر قرار دیا جا سکتا ہے، اس اصول کو پیش نظر رکھ کر آپ غور فرمائیں! کہ ظہور مہدی کی روایات اس قدر زیادہ سندوں سے مروی ہیں کہ ان کے راویوں میں تین خلفائے راشدین، پانچ امہات المؤمنین اور ان کے علاوہ مزید ۲۹ جلیل القدر صحابہ و صحابیات علیہم الرضوان شامل ہیں، لہٰذا ظہور مہدی کی روایات پر تواتر کا حکم لگانا بے جا نہیں ہے اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ خبر متواتر میں راویوں کا ثقہ اور عادل ہونا شرط نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے کسی روایت پر خبر متواتر کا حکم لگانے کے لیے اس کی تعریف میں چار شرائط ذکر کی ہیں:

عدد کثیر

راویوں کی ایک کثیر تعداد اس کو نقل کرے۔

احالت العادة تواطؤهم وتوافقهم على الكذب

عادۃً ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

رووا ذلک عن مثلھم من الابتداء الی الانتھاء

شروع سے آخر تک راویوں کی تعداد یکساں ہو۔

وکان مستند انتھاء ھم الحس

سند کی انتہاء کسی امر حسی پر ہو۔ (نیز یہ کہ وہ خبر اپنے سننے والوں کو علم یقینی کا فائدہ دے۔)

ان چاروں شرطوں میں کہیں بھی یہ ذکر نہیں کہ راوی کا عادل اور ثقہ ہونا ضروری ہے اس لیے بھی ظہور مہدی کی روایات قابل قبول ہوں گی کیونکہ وہ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔

امر سوم:

جن راویوں پر علامہ ابن خلدون نے جرح کی ہے، انھی راویوں کی اکثر جگہ توثیق بھی نقل کی ہے جس کی وجہ سے خود ان کے اقوال باہم متضاد ہو گئے ہیں لہٰذا وہ دلیل کا مدار نہیں بن سکتے، نیز علامہ ابن خلدون نے جو یہ قاعدہ مقرر کیا ہے۔

﴿الجرح مقدم علی التعدیل﴾ (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۱۲)

''جرح، تعدیل پر مقدم ہوا کرتی ہے۔''

یعنی کوئی راوی ایسا ہے کہ بعض علماء نے اس پر تنقید کی ہو اور بعض علماء نے اس کی توثیق کی ہو تو جرح کو تعدیل پر مقدم سمجھا جائے گا۔ اولاً تو یہ قاعدہ خود ہی ظنی ہے۔ ثانیاً اس سلسلے میں اصولیین نے کافی تفصیلی بحث کی ہے۔ ثالثاً یہ کہ مسلمان میں عدالت اصل ہے لہٰذا اسی کو قابل ترجیح قرار دیا جائے گا اور اگر اس پر کسی کی جرح موجود ہو، جس کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر اس صورت میں بھی عدالت تو یقینی ہے البتہ جرح میں اختلاف ہے اور قانون یہ ہے کہ:

﴿الیقین لایزول بالشک﴾

''شک کی وجہ سے یقین زائل نہیں ہوتا۔''

اور رابعاً یہ کہ جب کسی راوی پر جرح کی گئی ہو اور اس نقصان کی تلافی تواتر یا

اجماع سے ہو جائے تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا اور وہ روایت مقبول قرار پاتی ہے لہٰذا ظہور مہدی کی روایات بھی مقبول ہوں گی۔

کیا ہر جرح مقدم ہوتی ہے؟

ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو اگرچہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کا قاعدہ اصولِ حدیث میں مسلم ہے لیکن کچھ شرائط کے ساتھ۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ اپنی مشہور کتاب شرح نخبۃ الفکر میں تحریر فرماتے ہیں:

﴿والجرح مقدم علی التعدیل واطلق ذلک جماعۃ ولکن محلہ ان صدر مبینا من عارف باسبابہ لانہ ان کان غیر مفسر لم یقدح فی من ثبت عدالتہ وان صدر من غیر عارف بالاسباب لم یعتبر بہ ایضا﴾

(تسہیل شرح نخبۃ الفکر، ص ۹۳، ۹۴)

''اور جرح مقدم ہوا کرتی ہے تعدیل پر محدثین کی ایک جماعت نے تو اس قاعدے کو مطلق رکھا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جرح، تعدیل پر اس وقت مقدم ہوگی جب کہ وہ جرح واضح ہو (مبہم نہ ہو) اور جرح کرنے والا اسباب جرح کو جانتا بھی ہو (فنِ جرح و تعدیل میں ماہر ہو) اس لیے کہ اگر جرح واضح نہ ہو (بلکہ مبہم ہو) تو کسی عادل راوی کے بارے میں اس جرح سے کوئی عیب ثابت نہ ہوگا، اسی طرح اگر جرح کرنے والا اسباب جرح کو نہ جانتا ہو، تب بھی وہ جرح معتبر نہیں ہوگی۔''

اس قاعدے کے پیش نظر احادیث مہدی پر جرح مبہم کیونکر قبول ہو سکتی ہے پھر علامہ ابن خلدون کا بھی یہ اخلاقی فریضہ بنتا تھا کہ اگر وہ احادیث مہدی پر محدثانہ انداز سے تنقید کرنے لگے ہیں اور اس سلسلے میں وہ اصولِ حدیث کے قواعد سے بھی استدلال کر

رہے ہیں تو کم از کم قواعد ہی پورے بیان کر دیتے۔ تا کہ پڑھنے والوں کو ان کی جرح کی حیثیت بھی معلوم ہو جاتی۔

امر چہارم:

محدثین کرام نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث مختلف سندوں سے مروی ہو تو وہ باوجود ضعیف ہونے کے مقبول ہو گی، جب متفق علیہ ضعف کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے تو مختلف فیہ کی تلافی بھی ہو سکتی ہے۔ بالخصوص اس وقت جب کہ اسکی کثرت، حد تواتر کو پہنچ چکی ہو۔

امرِ پنجم:

اہل علم نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کوئی مجتہد کسی حدیث سے استدلال کرتا ہے تو گویا وہ پہلے اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگاتا ہے، پھر اس سے استدلال کرتا ہے، اس اصول کے پیش نظر جب سلف صالحین اس پیشین گوئی کے معتقد رہے تو انہوں نے اس سلسلے کی وارد شدہ احادیث کو صحیح قرار دے دیا پھر بعد میں سند کے ضعیف ہونے سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔

امرِ ششم:

علامہ ابن خلدون نے اگرچہ روایاتِ ظہور مہدی کے ثبوت کا انکار کیا ہے لیکن بہت سی روایات نقل کرنے کے بعد وہ اس میں جرح کا کوئی پہلو نہ نکال سکے۔ ان میں سے بعض روایات میں تو امام مہدیؓ کا نام صراحۃً موجود ہے مثلاً ص ۳۱۶ پر سلیمان بن عبید کی روایت حاکم کے حوالے سے نقل کر کے حاکم کا یہ قول ذکر کیا ہے:

﴿حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ﴾

(مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۱۶)

"اس حدیث کی سند تو صحیح ہے لیکن بخاری اور مسلم نے اس کو نقل کیا

نہیں۔''

اور یہ بات پیچھے بیان ہو چکی کہ کسی روایت کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ ہی نے نقل کیا ہو، لہٰذا سلیمان کی روایت مقبول ہے۔ اگر چہ علامہ ابن خلدون نے یہ کہہ کر اس میں جرح کا پہلو نکالنے کی کوشش کی ہے۔

﴿سلیمان بن عبید لم یخرج له احد من الستة﴾ (بحوالۂ بالا)

''سلیمان بن عبید سے صحاح ستہ کے کسی مصنف نے روایت نہیں لی۔''

لیکن اہل علم جانتے ہیں کہ کسی روای کی روایت کے صحاح ستہ میں نہ ہونے سے اس راوی پر جرح نہیں کی جا سکتی اور نہ اس کو مدار جرح بنایا جا سکتا ہے پھر مزید یہ کہ خود علامہ ابن خلدون نے ابن حبانؒ سے ان کا ثقہ ہونا اس طرح نقل کیا ہے۔

﴿لکن ذکره ابن حبان فی الثقات ولم یروان احدا تکلم فیه﴾ (بحوالۂ بالا)

''لیکن ابن حبانؒ نے سلیمان کو ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے اور کسی سے بھی ان کے بارے میں کوئی کلام منقول ہونے کا ذکر نہیں کیا (جو سلیمان کے مجروح ہونے پر دلالت کرتا ہو)''

اسی طرح ص ۳۱۹ پر حاکم کی روایت نقل کر کے حاکم ہی کا یہ قول ذکر کیا:

﴿صحیح علی شرط الشیخین﴾ (مقدمہ ابن خلدون ص ۳۱۹)

''بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق یہ روایت صحیح ہے۔''

اگر چہ اس روایت میں بھی علامہ ابن خلدون نے ایک راوی عمار ذہبی میں شیعہ ہونے کا شبہ نکالا ہے لیکن حضرت اہل علم جانتے ہیں کہ حدیث کے صحیح ہونے کا دارومدار راوی کی سچائی اور اس کی قوت حافظہ پر ہے، پھر امام مسلمؒ اعلیٰ درجہ کے نقاد فن ہیں، ان کا عمار سے روایت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کے شیعہ ہونے کو صحت پر اثر انداز نہیں سمجھتے۔

یہ تفصیل تو بعض ان روایات سے متعلق تھی کہ جن میں امام مہدیؓ کا نام صراحۃً موجود ہے اور بعض روایات ایسی ہیں جن میں امام مہدیؓ کے نام کی صراحت نہیں جیسے ص ۳۱۶ پر حاکم ہی کی روایت عوف کی سند سے نقل کر کے حاکم کا یہ قول ذکر کیا ہے:

﴿هذا صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاه﴾

(مقدمہ ابن خلدون ص ۳۱۶)

''یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے لیکن انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔''

جرح مبہم پر تعدیل مقدم ہوتی ہے:

اسی طرح ص ۳۱۷ پر طبرانی کی روایت نقل کر کے اس پر بھی کوئی جرح نہیں کی البتہ اس پر طبرانی کی اس عبارت سے شبہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو ابو الصدیق سے ایک جماعت نے نقل کیا ہے اور ابو الواصل کے علاوہ ابو الصدیق اور ابو سعید کے درمیان کوئی راوی نہیں جبکہ ابو الواصل کی روایت میں ابو الصدیق اور ابو سعید کے درمیان حسن بن یزید موجود ہے اور اس پر ذہبی نے جرح کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو محدثین کے یہاں ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہے اور ثانیاً یہ جرح مبہم ہے اور جرح مبہم پر تعدیل مقدم ہوا کرتی ہے اور پھر تعدیل بھی خود علامہ ابن خلدون نے ابن حبانؒ کے حوالے سے نقل کی ہے۔

﴿لكن ذكره ابن حبان في الثقات﴾

(مقدمہ ابن خلدون، ص ۳۱۷)

''حسن بن یزید کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔''

اس کی مثال یہ ہے کہ ''حدیث تمر بالرطب'' میں ایک راوی زید بن عیاش کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول منقول ہے کہ وہ مجہول ہے لیکن انہوں نے اس

جہالت کی وضاحت نہیں کی، جس کی وجہ سے یہ جرح مبہم قرار پائی اسی لیے محدثین نے اس کو قبول نہیں کیا اور فرمایا:

﴿زید بن عیاش کذا و کذا، فان لم یعرفه ابو حنیفة فقد عرفه غیره﴾

''زید بن عیاش ایسے ایسے راوی ہیں، اگر انہیں امام ابوحنیفہؒ نہ جان سکے تو دوسرے ائمہ تو انہیں جانتے ہیں۔''

معلوم ہوا کہ جرح مبہم پر تعدیل مقدم ہوا کرتی ہے خواہ جارح کوئی بھی ہو، پھر اس روایت میں بھی علامہ ابن خلدون نے ابوالواصل کی روایت کے متعلق وہی جرح کا پہلو نکالنے کی کوشش کی ہے کہ ان کی روایت اصحاب ستہ نے نہیں لی، اس کا جواب آپ سلیمان بن عبید کے متعلق بیان کردہ تفصیلات میں پڑھ آئے ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ علامہ ابن خلدون اپنے کلام کو خود ہی متضاد بنا دیتے ہیں کہ ایک طرف راوی کی جرح نقل کرتے ہیں اور فوراً ہی اس کی توثیق نقل کرنا شروع کر دیتے ہیں چنانچہ یہاں بھی انہوں نے ایسا ہی کیا ہے۔

﴿وذکره ابن حبان فی الثقات فی الطبقة الثانیة وقال فیه یروی عن انس روی عنه شعبة وعتاب بن بشیر﴾

(مقدمہ ابن خلدون: ص ۳۱۷)

''ابن حبانؒ نے ابوالواصل کو ثقہ راویوں کے دوسرے طبقے میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ابوالواصل، حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے شعبہ اور عتاب بن بشیر روایت کرتے ہیں۔''

جب ابوالواصل کی روایت کو امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ نے لے لیا ہے تو پھر صحاح ستہ کے مؤلفین کا ان کی روایت کو نہ لانا کوئی قابل ذکر بات نہیں۔

علامہ ابن خلدون کا احادیث مہدی پر تبصرہ:

علامہ ابن خلدون نے مذکورہ بالا روایات اور ان پر جرح وتنقید نقل کرنے کے بعد صحیح مسلم کی دو روایتیں ذکر کی ہیں اور ان کو صحیح بھی تسلیم کیا ہے، نیز آخر میں جا کر انہوں نے احادیث مہدی پر یوں تجزیہ اور تبصرہ کیا ہے:

﴿فهذه جملة الاحاديث التی خرجها الائمة فی شان المهدی وخروجه آخر الزمان وهی. کما رأیت. لم يخلص منها من النقد الاالقليل والاقل منه.﴾

(مقدمہ ابن خلدون، ص۳۲۲)

''یہ وہ تمام احادیث ہیں جو ائمہ حدیث نے امام مہدیؓ اور ان کے آخر زمانے میں ظہور سے متعلق بیان کی ہیں اور ان روایات میں سے۔ جیسا کہ آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔ بہت کم جرح وتنقید سے بچ سکی ہیں۔''

یہاں بھی مؤرخ موصوف نے حسب عادت دو متضاد باتوں کو جمع کر دیا ہے کہ ایک طرف ان احادیث صحیحہ کو قلیل بتا رہے ہیں اور دوسری طرف خود ہی ان کی تعداد پانچ چھ سو کہہ رہے ہیں۔ اور اگر بالفرض ان کی بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی یہ روایات کم از کم خبر واحد کے درجے تک تو پہنچیں گی اور یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ شریعت میں خبر واحد حجت ہے۔ لہٰذا بقول علامہ ابن خلدون کے ان روایات کا قلیل ہونا، کچھ مضر نہیں بالخصوص ایسے امور میں روایات کا قلیل ہونا کچھ بھی مضر نہیں ہوتا جن کا انکار کفر کی حد تک نہ پہنچے البتہ بدعت ضرور ہو اور امام مہدیؓ سے متعلق روایات کا یہی حکم ہے پھر جب ان قلیل روایات کی تائید کرنے والی روایات کثرت سے موجود ہوں تو وہ اور بھی زیادہ قوی ہو کر سب میں حکم پائے جانے کا سبب بن جاتی ہیں۔

مبہم، تفسیر کے وقت مفسر پر محمول ہوتا ہے:

علامہ ابن خلدون نے بعض احادیث کے بارے میں یہ بھی کہا ہے:

﴿لم يقع فيها ذكر المهدى ولا دليل يقوم على الله المراد منها.﴾ (مقدمہ: ص ۳۱۶)

''اس حدیث میں نہ تو امام مہدیؒ کا نام مذکور ہے اور نہ کوئی ایسی دلیل قائم ہے جو اس مقام پر امام مہدیؒ کے مراد ہونے پر دلالت کرے۔''

سو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی حدیث میں امام مہدیؒ کا نام نہ ہونے سے کچھ ضرر واقع نہیں ہوتا اس لیے کہ بقول علامہ ابن خلدون کے، اس پر کوئی دلیل قائم نہیں، اگر دلیل قائم ہو جائے تو پھر لازمی طور پر اس حدیث سے بھی امام مہدیؒ مراد ہوں گے چنانچہ آپ گذشتہ اوراق میں یہ بات پڑھ آئے ہیں کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کسی روایت کی سند یا متن میں ابہام ہو اور دوسری حدیث میں اس کی تفسیر موجود ہو اور قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں حدیثیں متحد ہیں تو اس مبہم سے مراد وہ تفسیر ہی ہو گی اور یہ قاعدہ علامہ ابن خلدون کو بھی تسلیم ہے۔ چنانچہ ص ۳۱۴ پر انہوں نے ابوداؤد کے حوالے سے ایک روایت ذکر کی ہے جس کی سند یوں ہے:

﴿صالح ابى الخليل عن صاحب له عن ام سلمة﴾

اس سند میں ''صاحب'' کا لفظ مبہم ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ سند اس طرح مذکور ہے:

﴿ابى الخليل عن عبدالله بن الحارث عن ام سلمة﴾

اور پھر علامہ نے یہ کہا ہے کہ یہاں مبہم سے یہی مفسر مراد ہے۔ جب اس سند میں مبہم کو مفسر پر محمول کیا جا سکتا ہے تو احادیث مہدی میں ایسا کیوں نہیں کیا جا سکتا؟